اداریہ

اپنی حکومت کو قائم و دائم کرنے کے لئے ظلم و جبر، اور تشدد کو بروئے کار لانے والے اپنی دنیا میں آپ ڈوبے ہوئے حریص حکمرانوں نے تاریخ سے سبق حاصل نہ کیا کہ نہ نمرود دوراں بچا، نہ شداد زمانہ اور نہ یزید وقت کہ تاریخ نے انہیں حرف غلط کی طرح نیست و نابود کرڈالا۔ اس کے برعکس ایمان کے سایے میں حق و عدل پر قائم رہنے والوں اور اعمال صالح انجام دینے والوں کا ذکر اپنی تمام تر آب و تاب کے ساتھ صفحۂ تاریخ پر حرف روشن کی طرح عیاں اور زندہ و پائندہ ہے کہ وہ اپنے عقیدہ وعمل سے انسانیت کو اصل پیغام زندگی دے رہے ہیں۔

ظلم تو ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے، ظالم اپنا کام خود تمام کرلیتا ہے۔ مظلوم کی آواز ضمیروں کو جھنجھوڑتی ہے اور مقتولین کا خون ایک نئے انقلاب کی سرخی بن کر ابھرتا ہے۔ ان کا نالہ و گریہ نعرۂ انقلاب بن جاتا ہے۔

یاد کیجیے تاریخ کا وہ دور کہ جب یزید نے ۶۰ ھ میں رسول اسلام محمد مصطفیٰؐ کے نواسہ حسینؑ ابن علیؑ سے سوال بیعت کیا، اس لیے کہ وہ فرزند رسولؐ تھے، ان کی بیعت یزید نے اس لیے بھی طلب کی تھی کہ اس طرح اس کے ہر قدم پر حسینؑ کی 'ہاں' ثبت ہوجاتی۔ مگر امام حسینؑ نے اپنا موقف یہ کہہ کر بیان کردیا کہ:

''میری زندگی کی قسم! امام بس وہی ہے جو از روئے کتاب الٰہی فیصلہ کرنے والا، انصاف قائم کرنے والا، خدا کے دین کا پابند اور اپنے نفس کا محاسبہ کرنے والا ہو''۔[1]

ہر ظالم اور بلا استحقاق حکومت کرنے والوں کی طرح، یزید جبر و استبداد کو بروئے کار لانے لگا۔ لیکن اس کے سوال بیعت کے جواب میں حسینؑ کا جواب وہی تھا جو امام برحق کا ہونا چاہئے یعنی انکار بیعت۔ حسینؑ نے مدینہ چھوڑا، حج کا زمانہ قریب تھا، مکہ تشریف لے گئے۔ لیکن فرزند رسولؐ کو مکہ میں بھی امان نہیں! حاجیوں کے بھیس میں قاتل روانہ کیے گئے تھے۔ حسینؑ نے حرمت خانۂ کعبہ کے خیال سے حج کو عمرہ میں بدلا اور کوفہ کا رخ کیا جہاں سے اہل کوفہ کی طرف سے خطوط روانہ کیے

۱- بلاغت الحسین، ص ۲۱۵

گئے تھے کہ حسین علیہ السلام آئیں اور ان کی پیشوائی و رہبری فرمائیں۔ لیکن راستہ میں گھیر کر حسینؑ کو کربلا لایا گیا۔

فرات کے کنارے خیمہ نصب کیے گئے مگر یزیدی لشکر نے انہیں وہاں سے ہٹوادیا۔ اس طرح ۳ محرم سے پانی کی دستیابی ایک امر مشکل قرار پائی۔ پھر ۷ محرم سے نواسۂ رسولؐ، حسینؑ ابن علیؑ، عورتوں، بچوں اور ان کے اعزاء و اقرباء اور انصاران باوفا پر پانی بند کردیا گیا۔ دس محرم کو حسینؑ، ان کے بیٹے حضرت علی اکبرؑ اور چھ ماہ کے علی اصغر، ان کے بھائی حضرت عباسؑ، اور بھتیجے حضرت قاسمؑ ابن حسنؑ اور ان کے اعزاء و اقرباء اور انصاران باوفا سمیت سب کو ۳ دن کا بھوکا پیاسا شہید کرڈالا۔ امام عالی مقام کی بوقت عصر شہادت کے بعد خیموں میں آگ لگادی گئی۔ ۱۰ اور ۱۱ محرم کی یہ درمیانی رات اس قافلہ حق و رضا نے جلی ہوئی قناتوں پر گذاری، علی ابن الحسینؑ نے یہ رات صرف ایک سجدۂ شکر میں گذار دی، اس طرح کہ زبان پر جاری تھا ''شکراً للہ شکراً للہ'' بقول جعفر حسین لکھنوی:

شہیدانِ وفا کے حوصلے تھے دید کے قابل
وہاں پر شکر کرتے تھے جہاں پر صبر مشکل تھا

قارئین! ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ معلم انسانیت، رہبر اعظم، خاتم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ دین کرکے اور اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کی سند لے کر گئے تھے۔ اس عرصے میں اسلام والوں کو کیا ہوگیا تھا؟ زمانہ سکوت اور بے بسی کا شکار کیوں تھا؟

دس محرم ۶۱ ھ کے دن لاشوں پر لاشے اٹھاتے ہوئے حسین علیہ السلام نے اپنے فصیح و بلیغ خطبے میں ارشاد فرمایا کہ:

''اے دین محمدؐ! اگر تیری استقامت اسی میں ہے تو اے شام کی خوں آشام تلوارو آؤ اور میرے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کردو''۔

کربلا میں ظلم و استبداد اپنی حدوں کو پار کرگیا مگر صبر و عزم حسینؑ اس سے بالاتر تھا۔ عاشورہ کے دن حسینؑ، ان کی اولادیں، اعزاء و اقرباء اور انصاران باوفا حتی کہ حسینؑ کا چھ ماہ کا لال علی اصغرؑ سب تین دن کے بھوکے پیاسے شہید کرڈالے گئے لیکن صبر حسینؑ اور ان کے ایقان و یقین اور خدا پر اعتماد کو ذرہ برابر جنبش نہ ہوئی!

بابا شیخ فرید گنج شکر اپنے شاگرد اور خلیفہ حضرت نظام الدین اولیاء سے واقعات کربلا کے بارے میں

کہتے ہیں: ''اے نظام الدین! تم جانتے ہو کہ عاشور کے دن [دس محرم] پیغمبرؐ خدا کے کنبہ پر کیسے کیسے مصائب ٹوٹے، اس کے لختِ دل کس بے دردی سے قتل کر دیے گئے۔ ظالموں نے انہیں پیاسا مار ڈالا۔ حیف ان سنگدلوں پر، حیف ان کافروں پر، حیف روز جزا سے غافل رہنے والوں پر، حیف ان بدنصیبوں پر، ان ظالموں پر۔ ان کو معلوم تھا کہ یہ بچے زمین آسمان کے بادشاہ کے بچے ہیں، یہ جانتے ہوئے بھی انھوں نے ان سب کو بے رحمی سے مار ڈالا، ان کے گھر تاراج کر ڈالے، انہیں برباد کر ڈالا'' ۔[1]

۱۱ محرم ۶۱ ھ کو بچوں، عورتوں اور حسینؓ کے بیمار فرزند حضرت سید سجاد علی ابن الحسینؓ کو قیدی بنا کر پہلے کوفہ [عراق] اور پھر دمشق [سوریا] روانہ کیا گیا۔ اس مظلوم قافلہ کی سربراہی حسینؓ کی بہن زینب(س) نے کی۔ دمشق میں انہیں دربار یزید میں پیش کیا گیا۔ یزید تخت نشین تھا اور نیچے فرزند رسولؐ حسین علیہ السلام کا سر طشت میں رکھا ہوا تھا اور یزید ان کے لب و دندان کی چھڑی سے بے ادبی کر رہا تھا۔ اس نے تکذیب رسولؐ و قرآن و وحی یہ کہہ کر کی کہ:

لعبتُ بنوهاشمٍ بالملک فلا ۔۔۔ فـلکٌ جـاء و لا وحـیٌّ نـزل

سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کے جاں نثاروں کی قربانی جو 'فی الحقیقت...... حق و صداقت' آزادی و حریت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ایک عظیم الشان قربانی تھی، صرف اس لیے ہوئی کہ پیروان اسلام کے لیے ایک اسوۂ حسنہ پیش کرے اور اس طرح جہاد حق و عدالت اور اثبات و استقامت کی ہمیشہ کے لیے ایک کامل ترین مثال قائم رہے'' ۔[2]

حقیقتاً واقعۂ کربلا ایک بہترین اخلاقی و سیاسی و روحانی زندگی کا عملی پیغام ہے۔ اس کا تعلق ہر مذہب کے انسان دوست افراد سے ہے۔ یقیناً 'یزید کی عیارانہ اور انسانیت سوز زندگی نے ایک بڑی گتھی پیدا کر دی تھی۔ معرکۂ کربلا حق و باطل، کفر و اسلام، سرمایہ پرستی اور مزدوری، حریت و جبر و استبداد وغیرہ کے مابین ایک فیصلہ کن جنگ تھی' ۔[3] حسینؓ نے اپنے عمل سے حق و صداقت اور خدا پرستی کو ایک دوامی زندگی بخش دی۔ بقول شاعر مشرق علامہ اقبالؔ:

زندہ حق از قوت شبیری است
باطل آخر داغ حسرت میری است

اور یہ کہ

۱۔ مجموعۂ ملفوظات، راحت القلوب، ص ۲۲۲ ۔۔۔ ۲۔ مولانا ابوالکلام آزاد ۔۔۔ ۳۔ ممتاز حسین جونپوری

تا قیامت قطعِ استبداد کرد موجِ خونِ او چمن ایجاد کرد

عاشورہ ہر انسان دوست اور دردمند دل کی آواز ہے۔ اس کا پیغام ابدی ہے، یہ ظالم کے خلاف تازیانۂ عبرت اور مظلوم کی پذیرائی اور اس کے ساتھ ہمدردی کی آواز دوام ہے۔ واقعات کربلا کی یاد ہر ہر ملک میں جگہ جگہ، قریہ قریہ بلکہ پورے کرۂ ارض پر منائی جاتی ہے۔ نوحہ و مجالس کا انعقاد کیا جاتا ہے جس کا سلسلہ بیشتر جگہوں پر پہلی محرم سے ۸ ربیع الاول تک جاری رہتا ہے۔ کربلا اور اس کے سماجی و معاشی اثرات کو اردو و ہندی ادب و شاعری میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

کربلا کے پیغام اور اس کے اثرات کے پیش نظر ایران کلچر ہاؤس، نئی دہلی نے بعنوان ''ہندوستان میں عزاداری'' ایک دو روزہ نیشنل سیمنار ۱۸-۱۹ نومبر ۲۰۰۶ء کا انعقاد کیا جس کے مختلف اجلاسوں میں ہندوستان کی مختلف دانشگاہوں، کالجوں، سماجی و فلاحی اداروں سے آنے والے مندوبین نے شرکت کی اور اپنے اپنے گراں قدر مقالے پیش فرمائے۔ جہاں تک خیالات و افکار کا تعلق ہے اس جہت میں یہ یاد رہے کہ مقالہ نگاروں کا تعلق دانشگاہوں کے مختلف شعبوں، شہروں اور عقائد سے تھا اس وجہ سے تصورات و خیالات کو مختلف زاویوں سے پیش کیا گیا جس سے سیمنار کی افادیت دوبالا ہوگئی۔ بقول مہدی نظمی:

درِ حسینؑ پہ ملتے ہیں ہر خیال کے لوگ
یہ اتحاد کا مرکز ہے آدمی کے لیے

سیمنار میں مقالے پیش کرنے والوں میں ڈاکٹر سریش مترا، پروفیسر جگر محمد، ڈاکٹر رحمت علی خاں، ڈاکٹر علی، ڈاکٹر مینا گوڑ، محترمہ طیبہ منور، پروفیسر عزیزالدین حسین، ڈاکٹر فرحت نسرین، ڈاکٹر منوہر سنگھ راناوت، ڈاکٹر لیاقت حسین معینی، پروفیسر سید جعفر رضا، ڈاکٹر گریش ناتھ ماتھر، قم یونیورسٹی سے آئے ہوئے ڈاکٹر محمد رضا فخر روحانی، ڈاکٹر سید محمد عامر، پروفیسر شاہ وسیم، سید علی کاظم، ڈاکٹر بی۔سی۔ اپادھیائے، ڈاکٹر محمد سجاد، پروفیسر سید ایوب علی، ڈاکٹر جی ڈی گلاٹھی، ڈاکٹر عذرا عابدی، ڈاکٹر عراق رضا زیدی، ڈاکٹر محمد تنظیم، ڈاکٹر علاؤالدین خان، ڈاکٹر پشپا ڈللر، پروفیسر مہندر پال شرما اور پروفیسر چندر شیکھر وغیرہ کے نام نامی شامل ہیں۔

یہ مقالات اپنی اہمیت کے آپ حامل ہیں۔ ان کی روشنی میں یہ بات سامنے آئی کہ ہندوستان کے مختلف شہروں اور سبھی صوبوں میں آج ہی نہیں بلکہ ہر دور میں مجالس و جلوسہائے عزاء کا اہتمام کیا

جاتا رہا ہے جو اب بھی جاری ہے اور یہ کہ امام و اصحاب امام کے معتقدین چاہے وہ کسی بھی فرقہ یا گروہ سے تعلق رکھتے ہوں سانحۂ کربلا کو یاد رکھتے ہیں اور کربلا والوں کا غم مناتے ہیں۔ آزادی ہندوستان کے بعد بھی نہ یہ کہ ماسابق ہندو و مسلمان راجوں کی طرف سے بلکہ ہندوستان کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے عزاء خانوں میں مجالس کا انعقاد کیا جاتا ہے اور جلوسہائے عزاء برآمد ہوتے ہیں، خاص کر پہلی محرم، پانچ محرم، سات محرم، آٹھ محرم اور شب عاشور، یوم عاشور اور چہلم اور آٹھ ربیع الاول کو۔ ان جلوسوں اور مجالسِ عزاء میں ہر فرقہ کے معتقدین شامل ہوتے ہیں اور غم حسینؑ مناتے ہیں۔ اس طرح یہ انسانیت نواز قافلہ آگے ہی آگے بڑھ رہا ہے۔ جے پور، بنارس [وارانسی] اور گوالیار کی ماسابق ریاستیں عزائے حسینؑ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی رہی ہیں کہ امام عالی مقام سب کے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ رسم عزا نے نہ یہ کہ صرف تہذیب و ثقافت کو ایک بڑی حد تک جلاء بخشی ہے اور توانائی عطا کی ہے بلکہ اس کا اثر ہندوستان سمیت سارے عالم پر نمایاں ہے۔ کربلا کے سماجی اثرات کے علاوہ معاشی و ادبی اثرات بھی ہیں۔ ہندوستان کی 'پروی' جماعت ہو یا حسینی برہمنوں کا فرقہ سب حسینؑ کی یاد مناتے ہیں۔ کربلا نے ہندوستان کی آزادی اور قومی یکجہتی میں ایک نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اسی طرح کربلا ایران کی آزادی کی روح رواں ہے۔

اس سیمنار کے انعقاد کی تجویز پروفیسر عزیزالدین حسین نے پیش کی تھی۔ میں ان کا اور تمام مقالہ نگاروں، شرکاء و سامعین اور کلچر ہاؤس کے رفقائے کار کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں خصوصاً ان مقالہ نگاروں اور شرکاء کا کہ جو دور دراز علاقوں سے سفر اختیار کر کے تشریف لائے اور اپنے اپنے علاقوں میں رسم عزاداری کا بھرپور مطالعہ کر کے انہوں نے جو مقالے تیار کیے تھے، انہیں سیمنار میں پیش کیا۔

ہمیں امید ہے کہ راہ اسلام کا یہ خصوصی شمارہ قارئین کو پسند آئے گا۔ اپنے نظریات اور رائے سے ہمیں نوازیں، ہم آپ کے تہہ دل سے مشکور رہیں گے۔ فقط والسلام